اللہ نے اپنی ''اَنَا'' سے آپ کو سب کچھ عطا کیا ہے۔ اپنی لذتوں کو اللہ کی طرف منتقل کرنے کا جہاد شروع کریں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 21 رجنوری 1994ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیت کریمہ تلاوت کی۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا (الفاطر:46)

پھر فرمایا:۔

اس آیت سے متعلق گفتگو سے پہلے میں اول تو کچھ اجتماعات کا اعلان کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد گزشتہ خطبے میں کہی ہوئی ایک بات کے متعلق مزید وضاحت پیش کروں گا۔

آج حلقہ شورکوٹ ضلع جھنگ اور حلقہ چک سکندر ضلع گجرات کی جماعتیں اپنا سالانہ جلسہ منعقد کر رہی ہیں۔ چک نو پنیار ضلع سرگودھا کا جلسہ سالانہ بھی آج ہی ہو رہا ہے، بھکر میں بھی ضلعی سطح پر سالانہ جلسہ ہو رہا ہے، اور مجلس انصار اللہ بینن افریقہ کا تیسرا سالانہ اجتماع آج 21 جنوری سے شروع ہو رہا ہے اور کل تک جاری رہے گا۔ ان سب کو احباب اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

گزشتہ جمعے میں، میں نے یہ ذکر کیا تھا کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ہماری تمام اعلیٰ لذات ہمارے خدا میں ہیں اور اسی طرح دیگر انبیاء بھی خدا میں ایسے منہمک

ہو جاتے ہیں اور اس کے عشق میں ایسے ڈوبے جاتے ہیں کہ گویا کسی اور لذت کی کوئی پرواہ نہیں رہی۔ تو سوال یہ ہے کہ ایک عاجز انسان جس کی لذتیں مادی، جس کے تجربے دنیاوی لذتوں کے حصول میں ہی صرف ہوتے رہے ہوں جس کے تجربے دنیاوی لذتوں کے حصول سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔ وہ خدا سے کیسے تعلق باندھے اور ان مادی تعلقات کو خدا کی محبت میں کیسے تبدیل کرے اور کیسے اس سے لذت حاصل کرے۔ ایک جانور کو جتنی استطاعت دی گئی ہے وہ اپنی استعداد سے بڑھ کر ان لذتوں کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

پس انسان کے لئے پھر یہ کیسے ممکن ہوگا کہ وہ اپنی تمام لذتیں خدا میں ڈھونڈے، مثلاً اس کو کھانے میں بھی لذت آتی ہے، کھانے پینے میں بھی لذت آتی ہے، لمس سے لذت آتی ہے، اور دیگر اس قسم کی دوسری لذات جن کو انسانی خواہشات یا جذبات سے کوئی رشتہ ہے، وہ سب ایسی معلوم ہوتی ہیں جن کا خدا سے کوئی تعلق نہیں۔ اس ضمن میں مَیں نے ایک بات آپ کے سامنے رکھی تھی جس سے متعلق بعض دوستوں کو ضرورت محسوس ہوئی ہے کہ مزید وضاحت کی جائے۔ وہ یہ تھی کہ ہر لذت کا آغاز، اس کا مبداء، اس کا منبع ایک ہی ہے۔ یعنی ''اَنَا'' جو اللہ کا ''اَنَا'' ہے۔ اللہ کا اپنے نفس کے وجود کا احساس وہی ہے جس سے ہر دوسری چیز پھوٹی ہے۔

پس الم میں، جو الف ہے یہ ہر چیز کا آغاز ہے۔ ایک ہے اور اس سے ہر چیز پھوٹتی ہے اور وہ اپنے وجود کا احساس ہے۔ اس احساس سے اللہ تعالیٰ نے زندگی کو یہ احساس ودیعت فرما دیا، منعکس کر دیا زندگی پر، اور وہیں سے پھر زندگی کا سفر شروع ہوتا ہے۔ زندگی کی آپ جو بھی تعریف کر لیں اس کا آخری نقطہ ''اَنَا'' سے شروع ہوتا ہے۔ یہاں ''اَنَا'' سے وہ انانیت مراد نہیں۔ جس کا شعر و شاعری میں بھی ذکر ملتا ہے۔ جس کے متعلق منفی معنوں میں ہم سوچتے ہیں کہ اس سے مراد اپنے وجود کا دوسروں پر سبقت کا احساس، بڑائی کا احساس، برتری کا احساس یا دوسرے لفظوں میں تکبر کا احساس ہے۔ ہرگز ان معنوں میں یہاں ''اَنَا'' کی بات نہیں ہو رہی۔ ''اَنَا'' سے مراد احساسِ وجود ہے جو ہر دوسری چیز سے زیادہ پیارا ہے۔ پس اس احساسِ وجود میں انسان کی پیدائش سے بہت پہلے زندگی کے آغاز ہی میں، زندگی کے پہلے ذرے کو بھی اللہ تعالیٰ نے اس احساس میں ظلّی طور پر شامل فرما لیا اور وہیں سے پھر زندگی کا سفر شروع ہوا۔ ہر ذرہ زندگی کا ایک ''اَنَا'' رکھتا ہے اور یہ ''اَنَا''

اسے دوسری چیزوں سے ممتاز کر دیتی ہے۔

اب جب آپ زندگی کے ارتقاء پر غور کریں تو آپ یہ معلوم کر کے حیران رہ جائیں گے کہ تمام تر ارتقاء اس ''اَنَا'' کے گرد گھوم رہا ہے۔ شروع میں لاشعوری طور پر اور پھر انسانی سطح پر پہنچ کر شعوری حالت میں۔ یہ مضمون چونکہ بہت گہرا اور بہت ہی وسیع ہے۔ اس لئے میں نے اشارۃً ذکر کیا تھا۔

اب بھی اس مضمون کے تمام تر پہلوؤں کو تفصیل سے بیان کرنے کا وقت نہیں ہوگا۔ میں اسی جگہ سے شروع کرتا ہوں جہاں میں نے بات، جہاں میں نے بات پچھلے جمعے میں ختم کی تھی کہ ہم اپنی لذات کو اگر تجزیہ کرتے ہوئے آغاز تک پہنچانے کی کوشش کریں۔ تو معلوم ہوگا کہ ہر لذت کا منبع احساسِ وجود یعنی ''اَنَا'' ہے۔ ہم زندگی میں پھیلنا چاہتے ہیں اور یہ پھیلنا آغاز میں وجود کے پھیلنے کے ذریعے تھا۔ اس وجود کو زیادہ سے زیادہ تقویت دینا چاہتے ہیں۔ اور ان دونوں باتوں کی سیری کے لئے، ان دونوں باتوں کی سیرابی کی خاطر، ہمیں زندگی میں ہر مقام پر دوسری چیزوں کی احتیاج رہتی ہے۔ اور یہ احتیاج کئی طریق سے پوری ہوتی ہے۔ مثلاً ہر زندہ چیز اپنے ماحول سے کوئی چیز لیتی ہے جس کو ہم کھانا کہتے ہیں کوئی چیز اخذ کرتی ہے، جسے پینا بھی کہا جاتا ہے اور جو کچھ لیتی ہے خواہ وہ کسی شکل میں بھی ہو اس میں سے کچھ حصوں کا انتخاب کرتی ہے اور وہ جو اس کی بقاء کے لئے، اس کی بنیادی خواہش کو پورا کرنے کے لئے کافی ہو اس میں اس کو مزا آنا شروع ہو جاتا ہے۔

پس اصل لذت بقاء میں ہے اور اپنے وجود کے پھیلنے میں ہے۔ اپنی نشو ونما میں ہے۔ آغاز میں ہمیں اس کے لئے کوئی الگ الگ بڈز یا سیل دکھائی نہیں دیتے۔ زندگی کے آغاز میں ایک مبہم سا خیال ہے کہ مجھے مزا آ رہا ہے۔ لیکن اس مزے کی تکمیل کے لئے زندگی نے ابھی بہت سفر کرنا ہے اور مختلف ذرات میں مختلف اجزاء نے نہ صرف اندرونی طور پر ترقی کرنی ہے بلکہ باہمی رشتوں میں بھی ترقی کرنی ہے۔

پس اب دیکھیں جس چیز کو ہم مزہ کہتے ہیں، منہ کا مزہ، اس میں کچھ Buds ہیں۔ ان Buds کے ذریعے ہم نمک محسوس کر لیتے ہیں۔ کڑواہٹ محسوس کر لیتے ہیں۔ مٹھاس محسوس کر لیتے ہیں۔ اور ان کا تعلق صرف ناک کے Buds سے ہے جن سے ہم خوشبو محسوس کرتے ہیں۔ پھر لمس کے ساتھ تعلق ہے، جو چیز نرم ہے یا سخت ہے۔ Crish ہے یا سوگی، ایسی ہے جو چیخ کے ساتھ ٹوٹتی

ہے یا پھسپھسی سی ہے۔ پھر وہ گرم ہے کہ سرد ہے۔ ان سب چیزوں کے لئے خدا تعالیٰ نے پھر زندگی کو محسوس کرنے کے ذرائع عطا کئے حالانکہ آغاز صرف بقاء کا ہے۔ بقاء کی خاطر سفر شروع ہوا ہے۔ لیکن زندگی خود تو یہ چیزیں بنا نہیں سکتی تھی۔ احساس تھا کہ کاش میں جو کچھ لذت حاصل کرتی ہوں تو مجھے اس کی لذت کو معلوم کرنے کے لئے معین ذرائع بھی میسر آ جائیں۔

قرآنِ کریم نے اس مضمون کو ایک سورۃ میں مکمل طور پر پیش فرمایا ہے کہ تم یہ کچھ جو تم نے کیا، کیا تم اس کے خالق تھے یا ہم خالق تھے؟ یہ بتانے کے لئے کہ تمہیں احساسِ وجود تو تھا مگر اس احساسِ وجود کی سعی کے لئے تم کچھ بھی خود پیدا نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن لگتا یوں ہے کہ خود بخود پیدا ہو رہا ہے۔ تو جتنی بھی لذتیں کھانے، پینے اور لمس سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان سب لذتوں کا تعلق اپنے وجود کی نشوونما اور اس کی بقاء سے ہے۔ اصل مزہ اس بات کا ہے کہ بڑھ رہے ہیں، ہم پھیل رہے ہیں، ہم باقی ہیں، ہم زندہ ہیں۔ ہم طاقتور ہیں اور اس کو معین طور پر محسوس کرنے کے لئے ہمیں منہ کے اندر بعض ایسے سیل عطا کئے گئے، ایسے خلیے عطا کئے گئے جو ان چیزوں کو محسوس کر سکتے ہیں۔ ہمارے ہاتھوں میں، ہماری جلدوں میں، اس قسم کے خلیے عطا کئے گئے جو ان چیزوں کو محسوس کر کے ان کا الگ الگ تجزیہ کر سکتے ہیں اور پھر وہ اعصاب عطا کئے، جن اعصاب کے ذریعے یہ سارے پیغامات دماغ تک پہنچتے ہیں اور پھر دماغ میں وہ صلاحیت عطا کی گئی کہ ان تمام احساسات کو نہایت تیزی کے ساتھ، برقی رفتار کے ساتھ کمپیوٹ کر کے جیسے کمپیوٹر ایک چیز کا حساب لگاتا ہے، حساب لگا کر نہ صرف یہ کہ اپنے اپنے الگ الگ خانوں میں جن کو وہ الگ الگ کر کے دکھائے، یہ جو چیز تم کھا رہے ہو، یہ اتنی ٹھنڈی ہے، اتنی گرم ہے، اتنی نرم ہے، اتنی سخت ہے، اس میں تمہاری بقاء کے لئے غذا کس کس شکل میں پائی جاتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ اور اس کی بُو کیسی ہے۔ یہ دماغ پھر الگ الگ خانوں میں سجا کے دکھاتا ہے لیکن ابھی اس کا نام لذت نہیں ہے۔ لذت اس آخری کمپیوٹیشن میں ہے جس میں دماغ یہ فیصلہ کرتا ہے کہ میں ہر طرف سے مطمئن ہوں اور مجھے بہت ہی لطف آیا ہے کہ مجھے جو چیز اپنے وجود کی تقویت کے لئے جتنی جتنی، جیسی جیسی شکل میں ضرورت تھی، وہ سب مجھے مل گئی۔ لمس کے لحاظ سے بھی میں مطمئن ہو گیا، درجہ حرارت کے لحاظ سے بھی مطمئن ہو گیا، نمکین ہونے یا میٹھا ہونے کے لحاظ سے بھی مطمئن ہو گیا وغیرہ وغیرہ۔

پھر آخری اطمینان اگر چہ ہم مادی حیثیت سے دیکھ رہے ہیں۔لیکن اس کا منبع صرف وہی ''اَنَـا'' ہے۔یعنی احساسِ وجود، جسے تقویت مل رہی ہے۔اس تقویت کے نتیجے میں ایک بہت لمبے سفر سے زندگی گزری ہے اور ہر تقویت، کچھ اور وجود میں اضافہ کرتی چلی گئی اور اس کے نتیجے میں مختلف سیلز کی شکل میں انسان کے احساس کی قوت ڈھلتی رہی اور اس طرح یہ سفر بالآخر انسان تک پہنچا ہے۔ اور حواسِ خمسہ کو جب آپ دیکھتے ہیں تو حواسِ خمسہ اسی سفر کی آخری شکل ہے جو انسان سے جا کر آخر پر منتج ہوئی ہے۔حواسِ خمسہ تک پہنچنے سے پہلے خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق کا ویسا نمایاں احساس ممکن نہیں تھا۔جیسا حواسِ خمسہ کے ذریعے ہوا۔تو اگر چہ یہ سفر انفرادی طور پر ایک ایک واسطے کے تعلق کو سمجھانے کے لئے اختیار کیا گیا۔لیکن مزہ وہیں آیا جہاں ہمارے وجود کی مددگار چیزیں ثابت ہوئیں۔ جہاں ہمارے وجود سے زندگی کم کرنے والی طاقتیں، اڑانے والی چیزیں پیدا ہوئیں۔ وہاں مزے کی بجائے اس سے نفرت کا احساس پیدا ہوا ،اس سے خوف پیدا ہوا جو پھر آگے مختلف قسم کے سیلز میں ڈھلنا شروع ہوا۔ پس درد کا احساس، تکلیف کا احساس، کھوئے جانے کا احساس، یہ سارے ہمارے وجود کے خلاف اثر کرنے والے محرکات ہیں۔جن سے ہمیں بنیادی طور پر صرف نفرت ہے۔ ہمیں پسند نہیں، ہمارے وجود کے خلاف کام کر رہے ہیں۔اس نفرت کو خدا تعالیٰ نے پھر ڈھالا ہے، مختلف قسم کے احساسات میں۔

ایک انگلی کاٹی جاتی ہے درد ہوتی ہے۔سوئی سے کسی جگہ کچھ چبھویا جائے تو درد ہوتی ہے۔ کیوں ہوتی ہے۔آخری Anphisis ہے اس کے سوا ہو ہی نہیں سکتا کہ اس نے وجود کو خطرہ پیدا کیا ہے اور جہاں جہاں، جس جس سمت سے بھی وجود کو خطرہ درپیش ہوگا وہاں تکلیف ہوگی اور اس تکلیف کا نام ہم کبھی بھوک رکھ لیتے ہیں، کبھی درد رکھ لیتے ہیں، کبھی سردی رکھ لیتے ہیں، کبھی گرمی رکھ لیتے ہیں اور ان سب کے لئے الگ الگ ذرات اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا کئے ہیں یا خلیات جن میں ان چیزوں کو محسوس کرنے کی صلاحیتیں رکھی گئی ہیں۔لیکن آخری Analysis آخری تجزیہ یہی ہے کہ لذت بقاء میں ہے اور بقاء کی لذت نے جو لمبا سفر اختیار کیا ہے اس سفر کے نتیجے میں اس لذت کو محسوس کرنے کے لئے احساسات میں نشو ونما پیدا ہوئی ہے۔اور یہ نشو ونما احساسِ ''اَنَا'' نے پیدا نہیں کی۔ چونکہ وہ بالکل اس بات کا اہل ہی نہیں تھا کہ کچھ پیدا کر سکتا۔اللہ کی ''اَنَـا'' نے پیدا کی ہے۔جس سے زندگی

میں احساس ''اَنَا'' منعکس ہوا۔ تو اگر کوئی شخص حواسِ خمسہ تک پہنچتے پہنچتے سفر کو ختم کر دے تو اندھا مر جائے گا۔ اگر حواسِ خمسہ تک پہنچنے کے بعد اس کا سفر اس مقام پر، سمت میں حرکت کرنے لگے کہ سب چیزیں میری بقاء کے وجود کے تمام لوازم اور ان میں جو رکھی ہوئی لذتیں ہیں، یہ ساری اس ''اَنَـــا'' سے پیدا ہوئی ہیں جو اللہ کی ''اَنَا'' ہے اور اس کے سوا ہمارے احساسِ وجود میں طاقت ہی نہیں تھی نہ عقل تھی دماغ تو اس کے نتیجے میں پیدا ہوا ہے، دماغ تو حواسِ خمسہ کو محسوس کرنے اور پھر اس کے اندرونی نظام کو، مختلف شکلیں دینے کے لئے پیدا کیا گیا اور ان کا باہمی آپس میں ایک رشتہ ہے جو اکٹھے ساتھ ساتھ ترقی کے منازل طے کرتے چلے گئے ہیں۔ تو بقاء کا احساس ہے، جس نے ہمیں بہت سی لذتیں بخشیں اور لذت کے ذرائع بخشے۔ اب ہم ان کو کہہ سکتے ہیں کہ یہ مادی لذتیں ہیں۔ مگر اگر آپ اس کی مبداء کی طرف لوٹ جائیں تو ہر مادی لذت کا مبداء، اس کا منبع ایک روحانی لذت ہے جس کو ہم اعضاء میں تقسیم نہیں کر سکتے جس کو کوئی مادی صورت دے نہیں سکتے۔ اس کا کوئی ایسا وجود نہیں جس کو مادی طور پر کہہ سکیں کہ یہ یہ ہے۔

پس وہ احساس ''اَنَا'' جس کی میں بات کر رہا ہوں۔ یہ اللہ کے الف یعنی ''اَنَا'' کی ایک تفصیل ہے جو زندگی میں ڈھالی گئی۔ جس کو آپ جنسی خواہشات کہتے ہیں اور جنسی لذات۔ اب بظاہر جانوروں میں دیکھیں یا انسان میں دیکھیں تو باقی پہلوؤں سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان کا روحانیت سے کوئی تعلق نہیں۔ خالصۃً مادی اور شہوانی جذبات ہیں روحانیت کا ان سے کیا تعلق ہے۔ حالانکہ جب ان کے سفر پر آپ غور کریں تو پتا لگے گا کہ یہ سفر بھی روحانی سفر تھا۔ جس نے رفتہ رفتہ جسمانی شکلیں ڈھالی ہیں کیونکہ انسان صرف اپنے وجود کو Shase میں یعنی کائنات میں نہیں بڑھانا چاہتا بلکہ وقت میں بھی بڑھانا چاہتا ہے اس لئے لمبی زندگی کی خواہش ہے۔ لیکن یہ خواہش ایک مقام پر آ کر آگے نہیں بڑھ سکتی۔ جو اجلِ مسمّٰی والی آیت میں نے پڑھ کر سنائی ہے۔ ہر شخص کی ایک اجلِ مسمّٰی ہے۔ ہر وجود کی ایک اجلِ مسمّٰی ہے۔ اس سے آگے ایک ذرہ بھی نہیں بڑھ سکتا۔ تو آگے کیسے بڑھیں پھر۔ پھر وہ پیدائش کے ذریعے آگے بڑھنے کا سلسلہ شروع ہوا پھر۔ شروع میں زندگی کے آغاز میں پیدائش کے ساتھ وہ لذتیں نہیں تھیں۔ صرف ایک احساس کی سیری تھی کہ ہم زمانے میں آگے بڑھ گئے ہیں اور یہ سیری کچھ لذت بخشتی تھی۔ جس نے ارب ہا سال تک ترقی کا سفر طے کیا اور

پھر اس لذت کو احساس کے لئے مختلف خلیے عطا ہونے شروع ہوئے اور اسی طرح اعصابی نظام بنایا گیا اسی طرح دماغ بنایا گیا جس تک اعصابی نظام کے ذریعے پیغامات پہنچتے تھے اور اس سے تعلق والی تمام چیزوں کو جب مجموعی صورت میں دیکھا جائے تو یہ ایک مادی لذت کی، ایک اپنی الگ شان ہے جس کو کھانے پینے کی لذت سے ملایا نہیں جا سکتا، ایک الگ قسم کی چیز ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس کا آغاز بقاء کی تمنا سے ہی شروع ہوا، ایک بقاء کی تمنا ہے ایک مکان کے اندر انسان بڑھنا چاہتا ہے جسم میں بھی اور جسم میں جب نہیں بڑھ سکتا تو پھر علم میں بڑھنے کی تمنا اسے ایک لذت بخشتی ہے۔ اور جتنا انسان علم میں ترقی کرتا ہے اتنی اس کی کائنات پھیلتی چلی جاتی ہے اور وہ وجود جو محدود ہے علم کے ذریعے لامحدودیت کی طرف اس کا سفر شروع ہو جاتا ہے۔ اسی طرح زمانے میں آگے بڑھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں جنسی خواہشات عطا کیں، جو اپنی ذات میں مقصد نہیں ہیں بلکہ ہمارے آگے بڑھنے کے احساس کے نتیجے میں ہمیں یہ صلاحیتیں عطا ہوئیں کہ ہم جب سمجھتے ہیں ہاں ہم آگے بڑھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں تو اس سے ایک لذت پیدا ہوتی ہے۔ اس لذت کو ان خلیوں میں ڈھالا گیا اس اعصابی نظام میں ڈھالا گیا وغیرہ وغیرہ۔

پس عام انسانی سفر پر جب ہم غور کرتے ہیں تو بعض دفعہ یوں لگتا ہے کہ بڑی بھیانک قسم کی لذات ہیں یعنی ایک مومن کو جو روحانیت کو فوقیت دیتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ یہ لذتیں تو دنیاوی ہیں۔ ان لذتوں کی سیری کیسے ہو سکتی ہے اللہ تعالیٰ کے تعلق میں۔ یہ درست ہے کہ کھانے پینے کی لذت کی، جنسی لذت کی، لمس کی لذت کی، خدا تعالیٰ کی ذات سے براہِ راست سیری ناممکن ہے۔ ویسی ہی مثال ہے جیسی ایک جانور کی میں نے دی تھی کہ وہ انسانی لذتوں کا تصور نہیں کر سکتا اور انسان سے وہ لذتیں پا نہیں سکتا۔ جو اس کو اپنے محدود دائرے میں عطا ہوئی ہیں۔ تو پھر وہ کیسے ممکن ہے کہ ہم خدا سے اسی قسم کے مضمون کی اعلیٰ لذات حاصل کریں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

''ہماری تمام اعلیٰ لذات ہمارے خدا میں ہیں۔'' (کشتی نوح روحانی خزائن جلد 19، صفحہ: 21)

وہ اعلیٰ لذات کیا چیز ہیں؟ یہ مضمون ہے جو پوری طرح پچھلی دفعہ واضح نہیں ہو سکا تھا۔ جسے

میں گزشتہ جمعے، میں کہہ چکا ہوں ان کے حوالے سے آگے بڑھانا چاہتا ہوں۔ جس طرح مادی ترقی نے ''اَنَا'' کے سہارے ایک بہت لمبا سفر طے کیا۔ اسی طرح روحانی ترقی میں بھی یہی ''اَنَا'' ہے جو ایک سفر میں آپ کی مددگار اور معین ہو جاتی ہے آپ کو قدم قدم آگے بڑھاتی ہے۔ مادی ترقیات میں ''اَنَا'' نے کانشس رول ادا نہیں کیا۔ یعنی باشعور طور پر ''اَنَا'' میں یہ صلاحیت ہی نہیں تھی کہ وہ آپ کو وہ چیزیں عطا کر سکتی۔ جو آپ کی لذت کے پیمانے ہیں۔ **اللہ تعالیٰ ہے جس نے اپنی ''اَنَا'' سے یہ سب چیزیں آپ کو عطا کیں ہیں** اور آپ کو سمجھانے کی خاطر کہ لذت کیا ہوتی ہے اور کیوں ہوتی ہے۔ جب آپ انسان کی سطح پہ پہنچ جاتے ہیں اور حواسِ خمسہ پوری طرح مکمل اور تیار ہو جاتے ہیں۔ تو یہ وہ وقت ہے جس سے خلقِ آخر کا وقت کہا جاتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے شعلۂ الہام نازل ہو سکتا ہے اور آپ کی صلاحیتیں اتنی ترقی کر چکی ہیں کہ آپ ماوراء کسی چیز کا تصور کر سکتے ہیں۔ یعنی مادے سے ماوراء، مادے سے پرلی طرف کی دنیا کی بھی تصور کرنے کی اہلیت اختیار کر جاتے ہیں۔ پھر شعور جوں جوں بیدار ہوتا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ ہماری بقاء، یہ جو ہمیں لذتیں بخشی ہیں۔ یہ بقاء تو ایک عارضی سی بے معنی سی بقاء ہے۔ اصل بقاء اس بات میں ہے کہ بقاء کے سرچشمے میں اپنے آپ کو کھو دیں۔ قطرہ سمندر کی طرف واپس لوٹ جائے۔ وہ جو مبداء تھا وہ مرجع بن جائے۔ جہاں سے ہم نکلے تھے اسی میں ڈوب جائیں۔ اور یہ احساس پوری طرح عرفانِ الٰہی سے نصیب ہوتا ہے جو کلامِ الٰہی کے پڑھنے سے اور عارف باللہ کے تعلقات سے محض نصیب ہوتا ہے۔

پس یہ وہ مضمون ہے جو حقیقت میں مذہب کا مضمون ہے اور مذہب کے سفر کی داستان یہاں سے شروع ہوتی ہے کہ **ہم اپنی لذتوں کو اللہ کی طرف منتقل کرنے کا جہاد شروع کریں۔ اللہ کی طرف منتقل کرنے کا جو سفر ہے۔ یہ سفر ہی روحانی ترقی کا سفر ہے۔** پس جس طرح بقاء کے احساس نے اور ان ذرائع نے جو بقا کو طاقت بخشتے تھے اور ہمیشہ رہنے کی تمنا نے اور ان ذرائع نے جو ہمیشہ رہنے کی تمنا کو پورا کرنے میں مددگار تھے ہمیں مادی طور پر کچھ ایسے خلیے، کچھ ایسے ذرائع آلات عطا کر دیئے جس کے ذریعے ہم ان لذتوں کو ایک مبہم لذت کے طور پر نہیں بلکہ معین لذتوں کے طور پر محسوس کر سکتے تھے۔

اسی طرح روحانی زندگی میں جب آپ تعلق باللہ شروع کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ذکر

سے اس تعلق کو تقویت دیتے ہیں۔ وہ وقت جب آپ کو واقعۃً اللہ کے پیار میں لذت آنی شروع ہو جاتی ہے۔ وہ جب واقعۃً آپ سمجھتے ہیں کہ ہماری بقاء کا آغاز تو اللہ ہی سے ہے اور اسی کے سہارے ہوا ہے مسلسل، اور ہم نادانی میں اس بات کو بھولے رہے۔ پھر جب آپ خدا سے ایک نئی طاقت پاتے ہیں، ایک نئی رفاقت نصیب ہوتی ہے وہ آپ کو ایک روحانی لذت بخشتی ہے۔ یہی وہ روحانی لذت ہے جو مرنے کے بعد جی اٹھنے سے پہلے پہلے اسی طرح ایک لمبا سفر کرے گی۔ جس طرح انسانی زندگی یا حیوانی زندگی نے سفر کر کے بعض لذتوں کو معین طور پر محسوس کرنے کے ذرائع حاصل کر لئے۔ وہ روحانی وجود جو جنت کے مقام تک پہنچتے پہنچتے آپ کو عطا ہوگا وہ روح کا یہ سفر ہے جس کے دوران آپ کو یہ عطا ہوگا۔ اس سفر پر بھیجنے کے لئے آپ نے اپنی زندگی میں کچھ کام کرنے ہیں۔ اگر اپنی زندگی میں اس سفر کی تیاری نہ کی تو زادِ راہ کے بغیر جو سفر ہے وہ تو پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا۔ اسی طرح گنہگار لوگ جن کی اپنے اپنے وجود کی ہر ایک کی ایک جہنم ہوتی ہے اس لئے میں کہتا ہوں اپنی جہنم تک پہنچنے تک جو سفر اختیار کرتے ہیں۔ اس سفر تک پہنچنے کے لئے ان کو اسی طرح منفی اعصاب نصیب ہوتے ہیں۔ جس طرح درد اور تکلیف کو محسوس کرنے کے لئے ہمیں زندگی کے سفر میں منفی اعصاب نصیب ہوئے تھے۔ اور وہ منفی اعصاب جہنم تک پہنچنے تک ان کے اندر غیر معمولی تکلیف کے احساس کی طاقت پیدا کر چکے ہوتے ہیں۔

پس خدا سے دوری کا سفر دراصل وہ جہنم کی جانب سفر ہے جس میں ایک لمبے عرصے میں، جس کے متعلق ہم نہیں کہہ سکتے کہ کب تک کا ہوگا۔ رفتہ رفتہ ہماری روح کو وہ شعور نصیب ہو جائے گا کہ وہ اپنی حماقتوں کے نتیجے میں جو کچھ کھویا ہے اس کی تکلیف محسوس کریں اور تکلیف کھونے کا نام ہے۔ بقاء کے خلاف جو کوئی چیز بھی آپ پر عمل دکھاتی ہے وہی تکلیف ہے۔ اور بقاء کے حق میں جو طاقتیں آپ پر عمل کر رہیں ہیں وہی لذتیں ہیں۔ تو آخری Analysis میں نہ کوئی جسمانی لذت ہے، نہ کوئی جنسی لذت ہے، نہ کوئی کھانے کی لذت ہے، نہ کوئی سردی، گرمی کا مزہ ہے۔ سارے مزے ''اَنَا'' تک پہنچتے ہیں اور اس ''اَنَا'' میں جب کمزوری کا احساس پیدا ہوتا ہے کہ ہم نے بہت لمبے سفر کئے مگر پھر بھی کافی نہیں ہے۔ مزید کی تمنا اسی طرح باقی ہے، پھر بھی پیاس ہے، جو نا ختم ہونے والی ہے۔ وہ وقت ہے شعور کا، جب اللہ کی طرف توجہ پیدا ہوتی ہے اور انسان جان لیتا ہے کہ بقاء تو اسی کی ذات میں ہے اسی کی رفاقت میں ہے۔ اور ہمیشہ کی زندگی بھی اسی سے نصیب

ہوسکتی ہے۔تو پھر یہ جو کھانے پینے کی، جنسی لذتیں وغیرہ یہ بالکل بے حقیقت، اس کے مقابل پہ بے حقیقت اور بے معنی ہو جاتی ہیں اور اپنے اپنے دائرے میں ایک نیا احساسِ لذت پیدا ہوتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہماری اعلیٰ لذات سے یہ مراد ہے۔ بہت سے انسان تو ہیں جن کو ادنیٰ لذات سے باہر نکل کر سوچنے کا موقع ہی کبھی نہیں ملا۔ یہ کلام ایک عارف باللہ کا کلام ہے۔ ناممکن ہے کہ ایک عارف باللہ جو خدا کی محبت میں ڈوبا ہوا ہو اس کے سوا، کسی کا تصور بھی اس بات تک نہیں پہنچ سکتا۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس ایک جملے میں فرما دیئے ہیں۔ ہماری اعلیٰ لذات ہمارے خدا میں ہیں۔ وہ کون سی اعلیٰ لذات ہیں۔ وہ یہی لذات کا روحانی سفر ہے، جو انسان کے مقام پر پہنچنے کے بعد پھر آگے بڑھتا ہے اور اس سفر کا اختتام مرنے کے ساتھ نہیں ہو جاتا۔ قرآنِ کریم بتاتا ہے کہ مرنے کے بعد اس سفر کا آغاز ہوتا ہے۔ ان معنوں میں جیسے ماں کے پیٹ میں بچہ بن رہا ہوتا ہے۔ اور ایک لمبا سفر نو مہینے کے عرصے میں طے کرتا ہے۔ نو مہینے کا عرصہ تو تھوڑا ہے۔ لیکن یہ جو وہ سفر کرتا ہے۔ وہ ساری زندگی کا سفر ہے، جو دہرایا جا رہا ہے اس کے اندر، یعنی ماں کے پیٹ کے اندر، بچے کی ذات میں، یہ سفر دہرایا جاتا ہے۔ یہ بھی ایک لمبی تفصیل ہے۔ جس میں اس وقت جانا مناسب نہیں۔

مختصراً آپ کو یہ بتا دیتا ہوں کہ یہ سفر، جو روحانی سفر خدا کی جانب ہے اور الٰہی تعلق کی لذات حاصل کرنے کی تمنا کے سہارے چلتا ہے۔ یہی وہ سفر ہے جس نے ہماری جنت کی صلاحیتیں پیدا کرنی ہیں۔ ورنہ یہ وہم ہے کہ ہم جنت میں چلے جائیں گے۔ جنت میں جانے کی وہ تیاری جس سے جنت کی لذتیں محسوس کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے وہ تیاری کئے بغیر، اس صلاحیت کے بغیر کس سے آپ مزہ اٹھالیں گے۔ ایک بچہ پیدا ہوتا ہے اس کی آنکھیں نہیں ہیں۔ بغیر آنکھوں کے وہ وہ لذتیں کیسے پا سکتا ہے جو آپ آنکھوں والے حاصل کر رہے ہیں۔ ٹیلی ویژن دیکھ رہے ہیں اس وقت اور دنیا کے باہر جب نکلتے ہیں نظارے دیکھتے ہیں رنگوں کی تمیز کرتے ہیں۔ حسن کو پہچانتے ہیں اور اس سے ایک لذت پاتے ہیں۔ ہر قسم کے حسن سے لذت پانے کے وہ ذرائع جو آنکھ کو میسر ہیں ان کا تعلق ایک لذت یابی سے ہے۔ اندھے بے چارے کو پتا ہی کچھ نہیں۔ اسی طرح سماعی لذتیں ہیں۔ جس کو کان نصیب نہیں ہوئے اس کو کیا پتا کہ یہ کیا لذتیں ہیں۔ تم، یہ تو محض کافی نہیں کہ ایک

اندھے کو ایک بہت ہی خوب صورت وجود یا خوب صورت بندے کے سامنے لا بٹھاؤ، لا بٹھاؤ لیکن وہ لذت حاصل نہیں کر سکے گا۔ یہ تو کافی نہیں کہ ایک بہرے کو ایک نہایت ہی خوب صورت اور دلکش محفلِ سماع میں پہنچا دو۔ وہ بت کا بت، پتھر کا پتھر، بیٹھا رہے گا۔ اس کو کچھ بھی پتا نہیں لگے گا کہ کیا ہو رہا ہے۔

تو جنت کوئی ظاہری ایسا وجود نہیں ہے جہاں جو داخل ہو گیا اس کو مزہ آنا شروع ہو جائے گا۔ ہم اپنی جنت کی خود تعمیر کرتے ہیں۔ جتنا جتنا یہ روحانی صلاحیتوں کے ذرائع ترقی کریں گے اتنا ہی ہماری جنت کا معیار بڑھتا چلا جائے گا۔ اگر ایک ہی چیز دو آدمی کھا رہے ہوتے ہیں۔ ایک کو کم مزہ آ رہا ہوتا ہے ایک کو زیادہ مزہ آ رہا ہوتا ہے۔ ایک ہی شعر دو آدمی سن رہے ہوتے ہیں۔ ایک لطف سے ایسا مستی پاتا ہے گویا کہ وہ آسمانوں میں اڑ رہا ہے۔ اس کی کیفیت ہی اور ہو جاتی ہے۔ اسے بعض شعر زمین کی سطح سے بلند رفعتوں پر پہنچا دیتی ہیں اور ایک آدمی سنتا ہے اور اسے کچھ پلے نہیں پڑتا کہ کیا ہو رہا ہے کیا بات ہے۔ وہیں بت کا بت زمین پر بیٹھا رہتا ہے۔ شعر اس کے سر کے اوپر سے گزر جاتا ہے یا ایک طرف سے آتا ہے، دوسری طرف سے نکل جاتا ہے، پتا نہیں اس کو کہ کیا بات ہو رہی ہے۔ اب وہ ایک خاص دائرے میں جو کچھ ہو رہا ہے۔ وہاں جس کو چاہیں لے جائیں ہر ایک کا ماحصل مختلف رہے گا۔ بعض شعری مجلس میں جا کر سزا پاتے ہیں۔ کہ پتہ نہیں یہ کیا بکواس ہو رہی ہے۔ جھوم جھوم کے ایک آدمی کچھ باتیں کر رہا ہے۔ لوگ داد دیں دے رہے ہیں۔ پاگل ہوئے ہوئے ہیں یہ سارے، کہنے والا بھی پاگل سننے والے بھی پاگل۔ اصل میں وہ خود پاگل ہوتا ہے، اس کو پتا نہیں کہ کیا ہو رہا ہے۔ تو اس لئے جو لذتوں کے حصول کے ذرائع ہیں۔ وہ سب سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں اور ان سے ہی جنتیں بنتی ہیں ان سے ہی دوزخیں بنتی ہیں اسی لئے کہا جاتا ہے کہ ہر شخص کی جنت الگ ہے اور ہر شخص کی دوزخ الگ ہے۔

پس محض دعائیں کرنا کہ اے اللہ ہمیں اعلیٰ علیین میں پہنچا دے۔ ہمیں حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے قدموں میں جگہ دے۔ ہمیں اپنے پیاروں سے ملا دے۔ بے کار ہے اگر ان باتوں کی کوئی تیاری نہ کی گئی ہو تو اندھا کہہ سکتا ہے اے خدا اے خدا! ہمیں دنیا کی سب سے خوب صورت جگہ پہ پہنچا دے۔ سب سے زیادہ حسین وجود کے سامنے بٹھا دے۔ تو اللہ دعا قبول کر لے گا؟ اگر چہ گریہ وزاری سے کرے گا۔ مگر دعا کرنے والے کو کیا فائدہ؟ وہ اسی طرح اندھے کا اندھا ہی

ہے۔ پس یہ جو روحانی سفر ہے اس کے متعلق یاد رکھیں کہ آپ کی تمام مادی لذات بعض صورتوں میں بڑی بھیانک دکھائی دیتی ہیں۔ مگر ان سب کا منبع، ان سب کا مبداء اللہ کی ذات ہے۔ اور آغاز میں یہ بہت ہی پاکیزہ ہیں اور گہری حکمتیں ان سے وابستہ ہیں اور آخری حکمت کی بات یہ ہے۔ کہ ان سب کا تعلق اس ''اَنَا'' سے ہے۔ اللہ کی ذات سے آپ میں منعکس ہوئی۔ اور اس نے ایک بہت لمبا سفر اختیار کیا۔ جب آپ کو یہ احساس ہو جاتا ہے کہ منبع حسین ہے اور باقی سب لذتیں۔ اس منبع کی عطا ہیں۔ تو اس طرف جو لوٹنے کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ سفر ہے جو مرجع کا سفر بن جاتا ہے۔ پس آخری دائرہ وہی ہے جو اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ میں بیان فرمایا گیا ہے۔ کہ اللہ ہی سے سفر کا آغاز ہوتا ہے اور اللہ پر ہی سفر جا کر ختم ہوتا ہے۔ وہ لوگ جن کا سفر اندھا شروع ہوا اور اندھا ہی ختم ہو ان کو مرنے کے بعد کسی لذت کی توقع نہیں رکھنی چاہئے۔ وہ جو باشعوری طور پر دل میں وقتاً فوقتاً اپنے جذبات میں ایک ہیجان اٹھتا ہوا دیکھتے ہیں۔ وہ اللہ کی طرف اپنے وجود کو لپکتا ہوا پاتے ہیں۔ وہ دیکھتے ہیں کہ وہ اعلیٰ ذات، وہ پاک اور بلند تر ذات جس تک ہمارا تصور بھی نہیں پہنچتا اس طرف جانے کی تمنا میرے دل میں پیدا ہو رہی ہے اور اس کی طرف میری روح حرکت کر رہی ہے۔ یہ وہ تمنا ہے جو رفتہ رفتہ آپ کو لازماً وہ روحانی اعصاب عطا کر دے گی جن اعصاب کے ذریعے واقعۃً آپ غیر معمولی لذت حاصل کریں گے۔

اسی لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ مرنے کے بعد روح کو ایک جسم عطا کیا جائے گا۔ ایک عام آدمی سوچتا ہے کہ کیا ضرورت ہے روح کو ایک جسم عطا کرنے کی، ایک جسم سے چھٹکارا ملا، ایک اور جسم عطا ہو گیا۔ بات یہ ہے کہ روح کا جو شعور ہے وہ ایک غیر منقسم شعور ہے۔ اس میں کسی قسم کی کوئی، شعور کے اندر ایسے مختلف قسم کے حصے نہیں ہیں کہ اس شعور کو آپ تقسیم کر سکتے ہوں کہ یہ حصہ فلاں چیز سے تعلق رکھتا ہے یہ فلاں چیز سے تعلق رکھتا ہے۔ ہر شعور اپنے آخری شکل میں غیر منقسم ہے۔ اس لئے کہ وہ توحید کا عطا ہوا ہے۔ ''اَنَا'' کا الف ایک ہی ہے۔ اور اسے آپ تقسیم نہیں کر سکتے۔ لیکن تقسیم ہوئے بغیر اس سے پھر آگے صفات پھوٹتی ہیں۔ پس جس طرح ہم کہتے ہیں کہ الٓمٓ، اَنَا اللّٰہُ اَعْلَمُ یہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ کہ الف سے مراد ''اَنَا'' ہو اور لام سے اللہ ہو اور میم سے رحمٰن اور رحیم ہوں۔ کیونکہ رحمانیت سے ہی ہر چیز کا آغاز ہوا ہے اور ربوبیت دراصل رحمانیت اور

رحیمیت کے آپس کے تعلق سے بنتی ہے۔ مگر یہ بھی سرِ دست اس کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ کیوں کہ ایک لمبا مضمون ہے۔ میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ہم جو کہتے ہیں اَنَا اللّٰہُ اَعْلَمُ کا مطلب ہے میں ہوں اللہ سب سے زیادہ جاننے والا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کیوں کہ قرآن کریم کے بہت سے بطن ہیں لیکن یہ بھی ہوسکتا ہے کہ الف جو ہے وہ ''اَنَا'' کا ہو اور لام اللہ کا اور میم رحمانیت اور رحیمیت کی ہو اور مراد یہ ہے کہ میں ایک وجود ہوں جس سے آگے صفات کے پھوٹنے کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور میری پہلی صفت رحمانیت ہے اور پھر رحیمیت ہے پھر آگے ان کے مختلف تعلقات اور جلووں سے تمام صفات پیدا ہوتی ہیں اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ میں جس طرح ایک ہوں اور کوئی میرا ثانی نہیں۔ اسی طرح میم سے مراد محمد ہو، اور مراد یہ ہو کہ مخلوقات میں محمد بھی اسی طرح ایک ہے اور اس کا کوئی ثانی نہیں لیکن جس طرح میں ایک ہونے کے باوجود مختلف صفات میں جلوہ گر ہو کر تمہیں مختلف رنگوں میں دکھائی دے رہا ہوں اور تم ان صفات کو اپنا بھی سکتے ہو۔ اسی طرح اگر چہ محمدؐ بھی ایک ہے لیکن تم اگر چاہو تو اس کی صفات کو اپنا کر اس کا قرب حاصل کر سکتے ہو اور ویسے ہی جلوے دکھا سکتے ہو۔

تو ''اَنَا'' کا سفر ان معنوں میں کہ خدا کی ذات سے نکلا ہے ہر قسم کے رنگ سمیٹے ہوئے ہے، ہر قسم کے حسن کی آماجگاہ ہے اور یہیں سے حسن پھوٹتے ہیں اور جب ہمارا تصور اس مضمون کو پالے اور ہم سمجھ لیں کہ ہم نے زندگی کا سفر کیوں اختیار کیا اور کس جانب یہ سفر ہے۔ تو پھر ایک تمنا پیدا ہوتی ہے کہ ہم اس طرف لوٹ جائیں۔ تبھی حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے وصال کے وقت بار بار یہ الفاظ ادا کئے اَللّٰھُمَّ فِی الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی ، اَللّٰھُمَّ فِی الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی اے میرے اللہ اب تو میں رفیق اعلیٰ میں ڈوبنے کی تمنا رکھتا ہوں، تُو میرا وہ اعلیٰ دوست ہے، اعلیٰ لذات کے مضمون پر غور کریں۔ یہ وہی مضمون ہے اعلیٰ لذات والا، کہ دنیا میں بھی رفیق تھے جو تیری وجہ سے پیارے لگتے تھے۔ مگر وہ سارے تیرے مقابل پر ادنیٰ رفیق ہیں۔ ان کے تعلق کی لذتیں تیری لذت کے مقابل پر ادنیٰ کہلاتی ہیں، ادنیٰ کہلائیں گی ادنیٰ ہیں۔ ایک ہی ہے جو رفیق اعلیٰ ہے جس کے ساتھ رفاقت کی سب سے اعلیٰ لذتیں وابستہ ہیں۔

پس اَللّٰھُمَّ فِی الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی اے خدا میں تیری ذات میں لوٹ کر تجھ میں ڈوب جانا چاہتا ہوں۔ یہ ہے مرجع تام یعنی باشعور خدا کی طرف لوٹنے کی تمنا پیدا ہو اور اس کے پیچھے اس کی

زندگی کی ساری کہانی اس مضمون کی صداقت پر گواہ بن چکی ہو۔ محض حرفوں اور لفظوں میں یہ بات نہ کہی جائے بلکہ ساری زندگی کے مضمون اس کے پیچھے اس کا گواہ بن کے کھڑا ہو۔ جس طرح حضرت محمد مصطفی ﷺ کی زندگی کا خلاصہ یہ تھا کہ اَللّٰھُمَّ فِی الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی اے میرے اللہ میں تیری ذات میں لوٹنا چاہتا ہوں۔ پس یہ قطرہ جس کا سفر ایک لامتناہی سمندر سے شروع ہوا تھا جب شعور کی منازل طے کرنے کے بعد عشق کی منازل طے کرتا ہوا واپس اپنے مرجع کے طرف لوٹنے کی تمنا رکھتا ہے۔ یہ وہ مضمون ہے جو پھر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کی کامل تصویر بن کر ہمیں اپنے خدا کی طرف لے جاتا ہے اور یہ واپس لوٹنا دراصل اعلیٰ جنت ہے۔ ''فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ۝ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ۝ (الفجر: 30 تا 31) اس جنت کی کوئی تفصیل بیان نہیں فرمائی گئی۔ جو نسبتاً کم درجہ کی جنتیں ہیں ان کے اندر آپ باغوں کے ذکر پڑھیں گے، پھلوں کے ذکر پڑھیں گے، بڑے بڑے باغوں کے قصے ہوں گے۔ جنت میں نہریں بہہ رہی ہوں گی لیکن ایک اعلیٰ جنت ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ کی جنت اور آپؐ کی غلامی میں پیدا ہونے والے عباد کی جنت ہے۔ اس کی تفصیل خدا نے کوئی بیان نہیں فرمائی کیونکہ وہ ایک ایسی اعلیٰ جنت ہے جس کی کوئی تمثیل ہی نہیں ہے۔ فرماتا ہے میں آواز دوں گا ان لوگوں کو جو میری طرف آ رہے ہوں گے۔ یٰٓاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ۝ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً ۝ (الفجر: 28 تا 29) اے وہ نفس جو مجھ سے مطمئن ہو گیا ہے۔ جو ساری زندگی کے سفر کے بعد بالآخر اس نتیجے پر پہنچا ہے۔ کہ میرا اطمینان، میرا سکون خالصۃً اللہ ہی میں ہے اور کوئی چیز نہیں ہے۔ جو مجھے کامل طمانیت بخش سکے۔ یٰٓاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ۝ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ تو تھک گیا ہے لمبے سفر سے ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ اپنے رب کی طرف اب لوٹ آ، فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ۝ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ۝ پس میرے عباد میں داخل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا، اب باقی جنتیں چاہے کیسی دلکش اور حسین دکھائی دیں، کیسی کیسی تفصیل ان کی نظر آئے، مگر جو میری جنت اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے۔ یہ کوئی اور ہی چیز ہے اور یہ ہی وہ جنت ہے جو رفیقِ اعلیٰ کی جنت ہے۔

پس اس عظیم سفر کی تیاری کریں اور اپنی جنتیں خود بنائیں اور یہ جنتیں ذکرِ الٰہی سے بنیں گی۔ ذکرِ الٰہی مختلف پھل بن کر آپ کے سامنے متمثل ہوگا۔ ذکرِ الٰہی سے جو پھل پھوٹیں گے وہ کچھ لذتیں

محسوس کرنے کی صلاحیتیں آپ کو عطا کریں گے اور ان لذتوں سے پھر آپ کی روحانی نشوونما کا سلسلہ شروع ہوگا اور بالآخر جب یہ لذتوں کا حصول اپنے کمال کے درجے تک پہنچے گا تو آخری لذت آپ کو سوائے رب کے کسی چیز میں نظر نہیں آئے گی۔ یہ ہے ذکرِ الٰہی جس کی طرف میں آپ کو بلا رہا ہوں۔ جس کی طرف قرآن آپ کو بلاتا ہے۔ جس کے اسلوب اور انداز ہمیں خود اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفی ﷺ کے دل پر نازل ہونے والے نور میں بیان فرمائے اور روشن کئے۔ جو حضرت محمد مصطفی ﷺ کی ذات میں جلوہ گر ہوا یہ وہ ذکرِ الٰہی ہے جو وہ آپ کی روحانی تخلیق کرتا ہے اور آپ خلقِ آخر میں داخل ہو جاتے ہیں جب دوبارہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس مضمون کے بعد جو میرا خیال تھا کہ نیا مضمون شروع کروں گا۔ اب اس کا وقت تو نہیں رہا اس لئے میں ایک دو اور امور کے متعلق اعلان کر کے اس خطبے کو ختم کرتا ہوں۔

سب سے پہلے یہ کہ کچھ غم کی خبریں آئی ہیں۔ جن کا تعلق اِنَّا لِلّٰہِ کے مضمون سے ہے۔ سب سے پہلے مکرم میاں عبدالحئی صاحب کی وفات کی اطلاع ملی ہے۔ یہ مبلغ انڈونیشیا تقریباً 25 سال تک انڈونیشیا میں خدمتِ دین سرانجام دیتے رہے۔ اس لئے عموماً ان کا تعارف مبلغ انڈونیشیا کے طور پر ہی کرایا جاتا ہے اور جہاں تک خدمتِ دین کا تعلق ہے۔ یہ ایک لمبا عرصہ ہے۔ 55 سال تک یہ واقفِ زندگی کے طور پر مختلف مناصب پر خدمتِ دین سرانجام دیتے رہے۔ نہایت میٹھا مزاج تھا بہت ہی طبیعت کے اندر نرمی اور رفق پایا جاتا تھا شفقت تھی دوستوں کے ساتھ، اچھے دوست مسکرانے والے اچھی باتوں پر ہنسنے والے بری بات کہو تو خاموش ہو کر الگ ہو جانے والے، اس قسم کا مزاج تھا جو ایک نظر دیکھنے میں ہی ایک پاکیزہ مزاج دکھائی دیتا ہے۔ صاف ستھرا، پاکیزہ مزاج اور خدمت بھی بے لوث کی اور مسلسل کی ہے۔ ہر حالت میں کی ہے، سخت بیماری کی حالت میں بھی جبکہ کینسر کے مریض تھے تب بھی آپ خدا کے فضل کے ساتھ خدمت دین کو اس طرح سرانجام دیتے رہے جیسے آپ کا عزیز ترین کوئی مشغلہ ہو جس کے بغیر آپ کو لطف نہ آئے زندگی کا۔ بیماری کی حالت میں بھی میں نے جیسا کہ بیان کیا ہے مجھے بھی جو خط لکھے ان میں یہی تھا کہ دعا کریں مجھے اور خدا تعالیٰ خدمتِ دین کی توفیق بخشے۔

ان کے متعلق مزید معلومات یہ ہیں کہ 1920ء میں 28 رفروری 1920ء کو قادیان میں

پیدا ہوئے تھے۔ اور یکم مئی 1938ء کو یہ مجاہدین تحریک جدید کے ساتھ وابستہ ہوئے۔ 1946ء میں پہلی مرتبہ اعلائے کلمہ اسلام کے لئے سنگاپور بھجوائے گئے۔ پھر چار سال وہاں خدمت بجالانے کے بعد انڈونیشیا میں متعین ہوئے۔ 1974ء سے 1980ء تک کراچی واہ کینٹ اور ربوہ میں خدمات سرانجام دیں۔ پھر دوبارہ 1980ء سے 87ء تک انڈونیشیا میں جہادِ تبلیغ میں مصروف رہے۔ واپسی کے بعد زندگی کی آخری سانس تک تحریک جدید کے مفوضہ فرائض سرانجام دیتے رہے۔ 19 / جنوری 1994ء کو لاہور میں وفات پائی۔

سید مسعود مبارک شاہ صاحب جو میرے ماموں زاد بھائی سید محمود اللہ شاہ صاحب کے صاحبزادے اور ڈاکٹر سید عبدالستار شاہ صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے تھے۔ ان کی جو والدہ کی طرف سے بھی ان کو یہ اللہ تعالیٰ کا یہ خاص فضل نصیب ہوا۔ یہ حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحبؓ کے نواسے تھے۔ میرے ماموں کی ایک شادی حضرت سید محمد سرور شاہ صاحب کی صاحبزادی سے ہوئی تھی تو میرے بہنوئی سید داؤد مظفر صاحب بھی انہی کے بطن سے ہیں۔ وقفِ زندگی کے بعد ایک بہت لمبے عرصے تک آپ نے جماعت کی اسٹیٹ تک یعنی سندھ کی جو زمینیں تھیں ان پر خدمات سرانجام دیں۔ لائل پور ایگریکلچر کالج سے باغوں کے فن پر انہوں نے ایک ڈپلومہ لیا تھا حضرت مصلح موعودؓ کے کہنے پر چنانچہ وہاں جو بڑے بڑے باغ لگائے گئے ہیں۔ ان میں ان کی محنت اور ان کی صلاحیت کا بھی کافی دخل ہے۔ ان کی شادی میرے دوسرے ماموں عبدالرافع صاحب کی بیٹی سے ہوئی تھی۔ اور پندرہ سال ان کو لنڈن کے لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کثرت سے طوبیٰ شاہ انہی کے صاحبزادے تھے اور اسی طرح عتیقہ ڈاکٹر فرید کی بیگم وہ بھی سید مسعود مبارک شاہ صاحب کی صاحبزادیاں ہیں۔ یہ دونوں آج انشاء اللہ جنازے میں شرکت کرنے کے لئے تشریف لے جائیں گے۔ ان کو بھی اپنی خاص دعاؤں میں یاد رکھیں۔ دونوں نام وہ ہیں جن کی نماز جنازہ جمعہ کے بعد اور پھر عصر کی نماز کے بعد دونوں نمازوں کے بعد ادا کی جائے گی۔ کیوں کہ ابھی تک وقت، دن اتنا چھوٹا ہے کہ جمعے کے ساتھ ہی عصر کا وقت شروع ہو رہا ہے۔ امام صاحب، ٹھیک ہے! جب ایسا وقت کہ دونوں کو الگ الگ پڑھا جائے تو انشاء اللہ اعلان کر دیا جائے گا۔ اس کے علاوہ اس سلسلے کے بہت ہی مخلص کارکن سید سخاوت علی شاہ صاحب یا سید خاور شاہ صاحب جو اصلاح وارشاد کراچی کے ایڈیشنل سیکریٹری تھے

ان کی بھی آج اچانک وفات کی اطلاع ملی ہے اور اسی طرح ڈاکٹر عبدالغفور صاحب اسیر راہِ مولیٰ ننکانہ صاحب کی وفات کی اطلاع ملی ہے۔ انشاء اللہ جمعے کی نماز کے بعد ان سب کے لئے غائبانہ نمازِ جنازہ ادا کی جائے گی اور ان کو اور ان کی اولادوں کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

ایک مختصر اعلان یہ کر دوں کہ ریڈیو پہ سننے والے بکثرت شکایت کر رہے ہیں کہ آپ ہمارے وقت کا نہیں خیال رکھتے یا ہمیں ریڈیو کا وقت زیادہ لے کے دیں یا خطبہ وقت کے اندر ختم کریں کیونکہ عین اس وقت جبکہ مضمون اپنے اختتام تک پہنچ رہا ہوتا ہے۔ جب آپ سمیٹ رہے ہوتے ہیں باتوں کو اس وقت اچانک ریڈیو بند ہو جاتا ہے تو ان کی اطلاع کے لئے میں عرض کر رہا ہوں کہ اب ہم نے ریڈیو سے سردست تو یہ انتظام کیا ہے کہ بجائے ڈیڑھ بجے خطبہ شروع کرنے کے، ہمارا پروگرام شروع کرنے کے وہ ایک پینتیس پہ شروع کریں گے اور دو پینتیس پر ختم کریں گے۔ لیکن یہ تجربہ بھی سرِ دست جو ہم نے دیکھا ہے کامیاب نہیں ہو سکا کیونکہ پچھلے ایک دو خطبات میں مَیں چالیس منٹ تک خطبہ دیتا رہا۔ بعد میں مجھے افسوس ہوا کہ وہ بے چارے پھر محروم رہ جائیں گے۔ تو آج بھی ڈاک میں کئی شکایتوں کے خط تھے۔ میں ان کو سمجھانا چاہتا ہوں کہ ہم اس طرف توجہ دے رہے ہیں۔ اللہ کے فضل کے ساتھ ٹیلی ویژن کی طرح ریڈیو کے وقت کو بڑھانے کے لئے بھی گفت وشنید جاری ہے اور یہ بھی کوشش کر رہے ہیں کہ، ریڈیو اسٹیشن کی اس پروگرام کی طاقت بڑھائی جائے۔ کیونکہ جتنی بجلی خرچ کرے اتنا ہی زیادہ وضاحت کے ساتھ دور دور تک ریڈیو سنا جا سکتا ہے۔ تو امید رکھتے ہیں کہ انشاء اللہ یہ ریڈیو اسٹیشن بھی بہت وسیع دائرے میں سنا جا سکے گا اور اطمینان کے لئے میں عرض کرتا ہوں کہ خطبہ جمعہ کو پورا Cover کرنے کے لئے ہم کوشش کر رہے ہیں۔ ہمیں وقت مل جائے۔ مشکل چیز یہ ہے کہ ان کے وقت آگے سے طے شدہ ہیں۔ ورنہ ہماری طرف سے اس معاملے میں کنجوسی نہیں ہے۔ یہ جو پانچ منٹ آگے بڑھایا گیا ہے یہ بھی انہوں نے بڑی مشکل سے مانا اور کہا کہ پہلے پانچ منٹ چھوڑو پھر ہم تمہیں اگلے پانچ منٹ دے دیتے ہیں۔ لیکن امید ہے اللہ تعالیٰ فضل کرے گا۔ بعض دفعہ بعض کمپنیاں پروگرام بنا کر پھر اس سے الگ ہو جاتی ہیں تو وہ وقت مل جاتا ہے اور دعا میں یاد رکھیں کہ اللہ کرے کہ انشاء اللہ یہ کمی بھی پوری ہو جائے گی۔ باقی جو ریکارڈ کرتے ہیں یہ ہمارا ویڈیو کا پروگرام ان کو چاہئے اپنے اپنے علاقوں میں یہ اعلان کر دیں کہ جو دوست

خطبہ ریڈیو کے ذریعے سنتے ہیں۔ اگر ان کو بقیہ خطبہ معلوم کرنے کی خواہش ہو تو وہ ان سے کیسٹ منگوالیا کریں۔ وہ کیسٹ کا جو نظام پہلے چل رہا تھا، اس حد تک اس کمی کو پورا کرنے کے لئے پھر دوبارہ جاری کیا جاسکتا ہے۔